تقریظ، تنقید اور تبصرہ نگاری پر ایک نظر

(دوسری قسط)

مولانا محمد جمیل احمد
متخصصِ علومِ حدیث، جامعہ

آداب وشرائطِ تقریظ

مفکرِ اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۱۴۲۰ھ) تقریظ وتقدیم کی اہمیت ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وکذٰلک تقدیم کتاب لمؤلف معاصر أو عالم کبیر أو صدیق عزیز لیس عملًا تقلیدیًا یقوم به الکاتب أو تحقیقًا لرغبة المؤلف أو الناشر أو إرضائه، إنهٗ شهادة و تزکیة و لهما أحکامهما و آدابهما و مسؤولیتهما.''

''(جاننا چاہیے کہ) کسی ہم عصر مؤلف یا کسی بڑے عالم یا کسی عزیز دوست کی تصنیف پر تقدیم کے کلمات لکھتے وقت ایسا رویہ ظاہر کرنا جو ظاہری رکھ رکھاؤ یا مؤلف وناشر کی خواہش کی تکمیل یا اس کی رضامندی کا پیش خیمہ ہو (مناسب نہیں)، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تقدیم لکھنا ایک مستقل گواہی اور شہادت کی حیثیت رکھتا ہے، چنانچہ اس کے اپنے احکام، آداب اور کچھ ذمہ داریاں ہیں۔''

اس کے بعد حضرتؒ نے تفصیل کے ساتھ تقدیم کے آداب وشرائط کو ذکر کیا ہے، (تقریظ و تقدیم کے ایک ہونے یا نہ ہونے سے متعلق تفصیل آئندہ صفحات میں آرہی ہے) ذیل میں ہم درجہ بدرجہ ان کو ذکر کرتے ہیں:

۱:-حق کی گواہی

شہادۃ بالحق، یعنی تقریظ نگار کو چاہیے کہ کتاب میں موجودہ مصدقہ مواد کی گواہی دے، گویا کہ

مقدم کی حیثیت ایک گواہ کی ہوتی ہیں۔

۲:-تصحیحِ کتاب وعلمی جائزہ

’’تقويم للكتاب تقويمًا علميًا ‘‘یعنی مُقدِم علمی ناقد کی حیثیت سے کتاب کا علمی جائزہ لیتے ہوئے اس کی نوک پلک کو درست کردے، جس کو علمی اصطلاح میں تصحیح الکتاب کا عمل بھی کہا جاتا ہے۔

۳:-موضوع سے متعلق مؤلف کی حیثیت اور واقفیت کی وضاحت

’’بيان مكانته فيما كتب و ألف في موضوعه ‘‘یعنی مُقدِم صاحبِ کتاب کے اختیار کردہ موضوع سے متعلق مؤلف کی حیثیت اور واقفیت کو نمایاں کرے۔

۴:-کتاب کے مواد کی تخریج میں صاحبِ کتاب کی کوشش

’’ومدى مجهود المؤلف في إخراج هٰذا الكتاب ‘‘اس بات کی بھی وضاحت کردے کہ موادِ کتاب کی تخریج میں صاحبِ کتاب کی کوششوں کی حدود کیا ہیں؟

۵:-صاحبِ کتاب کی اپنے موضوع کی تحلیل میں کامیابی

’’ونجاحهٗ في عمله التاليفي أو التحقيقي‘‘ نیز اس بات کی تصریح کرے کہ صاحبِ کتاب کو اپنے موضوع کی تحلیل میں کس قدر کامیابی ہوئی؟

۶:-موضوعِ کتاب، مقاصد، مؤلفِ کتاب کی زندگی، مصروفیات کی تصریح

اس کے بعد آگے چل کر حضرتؒ لکھتے ہیں:

’’ولابد في التقديم من زيادة معلومات و إلقاء أضواء على موضوع الكتاب و مقاصده و على حياة المؤلف و مكانته بين العلماء المعاصرين في عصره و مصره.‘‘

’’مُقدِم اگر موضوع سے متعلق مفید معلومات بہم رکھتا ہو تو افادۂ عام کے لیے اس کو مستقل عنوان کے تحت تقریظ کا حصہ بنادے، نیز مزید یہ ہے کہ موضوعِ کتاب اور مقاصد کی بقدرِ ضرورت تصریح کردے، نیز مؤلفِ کتاب کی عام زندگی اور مصروفیات پر روشنی ڈالے، اور معاصرین اور اہلِ بلد کے ہاں صاحبِ کتاب کے علمی مقام اور شخصیت کو اُجاگر کردے۔‘‘

۷:-صاحبِ کتاب کے اندازِ فکر اور عقلی میلانات

مزید فرماتے ہیں:

’’وعلی تكوينه العقلي و نشوئه العلمي و الدوافع التي دفعته إلى التاليف في هٰذا الـموضـوع رغـم وجود مكتبة واسعة في موضوعه أو مجموعة من الكتب التي ألفت في هٰذا الموضوع.‘‘

’’اس کے ساتھ تقریظ نگار کی اہم ذمہ داری صاحبِ کتاب کے اندازِ فکر اور عقلی میلانات کے متعلق اس کی رائے کی نشاندہی کرنا ہے اور نیز اس ماحول کی وضاحت کرے جس میں مصنف کی علمی نشو ونما ہوئی، پھر یہ بھی بتائے کہ اگر اس موضوع پر پہلے سے کثیر مواد موجود تھا تو وہ کونسے اسباب تھے جس نے مصنف کو اس موضوع سے متعلق مزید عمل پر اُبھارا۔‘‘

۸:- مقدمہ لکھنے والا خود بھی باذوق ومحقق ہو

’’ولا بـد من أن تكون بين المُقدم للكتاب و بين موضوعه صلة علمية أو ذوقية أو دراسة وافية للموضوع و ما ألف فيه.‘‘

’’اس کے ساتھ خود مقدمہ لکھنے والے کے لیے اہم شرط یہ ہے کہ پیشِ نظر کتاب کے موضوع سے اس کا خاص علمی ربط ہو، یا اس موضوع کا ذوق رکھتا ہو یا مذکورہ موضوع پر تحقیق وتالیف رکھتا ہو۔‘‘

۹:- صاحبِ کتاب اور تقریظ لکھنے والے کے درمیان باہمی علمی رشتہ ہو

’’وارتبـاط وثيـق كـذٰلک بيـنـهٗ و بين المؤلف يمكّنه من الا طلاع علٰى تركيبهٖ العقلي والعملي و العاطفي إذاكان الكتاب في موضوع علمي أو أدبي أو فكري أو دعوة.‘‘

’’اسی طرح صاحبِ کتاب اور تقریظ لکھنے والے کے درمیان باہمی علمی رشتہ ہو، جس کی بنیاد پر تقریظ لکھنے والا مؤلف کتاب کے مکتبِ فکر، علمی منہج اور نظریاتی میلانات کے ساخت وپرداخت کو جانتا ہو، خاص طور پر پیشِ نظر کتاب کسی علمی یا ادبی یا فکری یا کسی مصنف کی خاص رائے سے متعلق موضوع کے قبیل سے ہو۔‘‘

۱۰:- مُقدِّم کی طرف سے صاحبِ کتاب کا موضوع میں اخلاص واختصاص بیان کرنا

’’وعـلى مدىٰ إخلاصهٖ لموضوعه واختصاصه و تفانيه فيه و رسوخه في العلم و الـديـن و أخـذهـمـا مـن أصـحـاب الاختـصـاص فيه المعترف بفضلهم إذا كان الكتاب في موضوع ديني كالتفسير و الحديث و الفقه و ما إلٰى ذٰلک.‘‘

’’اور اگر موضوعِ کتاب خاص دینی ہو، جیسے: تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ تو پھر مُقدِّم کی ذمہ داری یہ ہے کہ اس بات کی بھی تصریح کرے کہ صاحبِ کتاب اس موضوع میں کتنا مخلص

ہے اور موضوع میں اختصاص کے ساتھ ساتھ رسوخ فی العلم والدین اور ایسے شیوخ کا ہونا بھی شرط ہے جو اس مذکورہ فن میں اختصاص کا مقام رکھتے ہوں۔‘‘

۱۱:- کتاب کو پڑھ لینے کے بعد مقدمہ لکھنا ذمہ داری ہے

’’ويجب أن يكون هٰذا التقديم عن اندفاع و تجاوب و تحقيق لرغبة نشأت في نفس المقدم بعد قراءة هٰذا الكتاب تحضه علٰى كتابة هٰذا التقديم و تحببت إليه المهمة و تيسرها له بحيث إذا امتنع عنها اعتبر نفسه مقصرا فى أداء حق و إبداء مشاعر و انطباعات.‘‘

آخری شرط کے طور پر فرماتے ہیں کہ:

’’صاحبِ تقدیم‘ کتاب کو پڑھ لینے کے بعد مقدمہ لکھنے کو اپنی ذمہ داری سمجھے، چنانچہ مہمات کی وضاحت کرے اور تقدیم نہ لکھنے کی صورت میں اپنے آپ کو علمی حق کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے والا سمجھے۔‘‘

مزید فرماتے ہیں:

’’وقد يتحول من شهادة بالحق إلٰى سمسرة تجارية أو قصيدة مدح فيفقد قيمته العملية و الأدبية و يتجرد من الحياة و الروح.‘‘

’’کبھی کبھار تقدیم وتقریظ کے ذریعے حق کی گواہی ادا کرنے کے بجائے تجارت اور باہمی لین دین کی شکل اختیار کی جاتی ہے، چنانچہ کتاب کی علمی اور ادبی اہمیت گراوٹ کا شکار ہو جاتی ہے اور کتاب کی روح جاتی رہتی ہے۔‘‘

راقم السطور کہتا ہے: خارج میں اس کی بے شمار نظیریں ملتی ہیں کہ مُقدِّم نے صرف صاحبِ کتاب کی ستائش کی خاطر مختصر یا طویل مدحیہ کلمات لکھ دیئے، حالانکہ اصل کتاب جاندار تھی، لیکن کما حقہ تقریظ یا تقدیم نہ لکھنے کے نتیجے میں اس کی حیثیت گم ہو کر رہ گئی، یا کتاب بے جان تھی، لیکن محض شہرت یا مالی نفع کے حصول کی خاطر مقرِّظ نے کتاب کے متعلق بے تحقیق آسمان و زمین کے قلابے ملائے کہ: ’’وأخفى حاجة في نفس يعقوب ما قضاها.‘‘ اسی کی توضیح کرتے ہوئے حضرتؒ فرماتے ہیں:

’’ولايكون التقديم مجموع كلمات تقريظ و مدح يمكن أن يحلى به جيد أي كتاب إذا غير اسمه و اسم مؤلفه.‘‘ (شخصیات وکتب:۹،۱۰، دارالقلم)

’’تقدیم صرف ایسے مدحیہ بے سروپا کلمات پر مشتمل نہ ہو کہ اگر تقریظ سے موضوعِ کتاب اور صاحبِ کتاب کا نام ہٹا دیا جائے تو وہ عامۃ الاستعمال بن جائیں۔‘‘

مندرجہ بالا تمام شرائط وآداب بظاہر حضرت مولانا ابوالحسن ندویؒ نے تقدیمِ کتاب کے لیے ذکر کیے ہیں، اس میں تقریظِ کتاب کے حوالہ سے کوئی خاص بات موجود نہیں ہے، البتہ اس بابت چند گزارشات ذکر کرنا ضروری ہے:

۱:- متقدمین کے ہاں تقدیمِ کتاب اور تقریظِ کتاب دو الگ الگ اصطلاحات ہیں، اس حوالہ سے تفصیل ان شاء اللہ! آگے ذکر کی جائے گی۔

۲:- متاخرین کے ہاں عموماً صاحبِ کتاب کی ستائش اور کتاب کے امتیازات وخصائص کو مختصر طور پر بیان کرنے کا نام تقریظ ہے، جیسا کہ ماقبل میں گزرا، البتہ اس اختصار کے باوجود متاخرین کے ہاں اس پر تقدیمِ کتاب کا اطلاق بھی ہوسکتا ہے، چنانچہ ڈاکٹر عبداللہ احمد الیوسف اس بارے میں لکھتے ہیں:

’’و قد درج بعض العلماء المعاصرين على استخدام كلمة ’’التقديم‘‘ بدلا من تقريظٍ و هي تعطى نفس الدلالة.‘‘ (فن صناعۃ التقریظ: ۱۹)

’’بعض ہم عصر علماء نے تقدیمِ کتاب کی اصطلاح کو تقریظِ کتاب کی اصطلاح کے طور پر استعمال کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ کلماتِ تقدیم‘ تقریظ کا معنی ادا کرسکتے ہیں۔‘‘

۳:- کبھی کبھار تقریظِ کتاب موضوع سے متعلق جاندار مباحث اور تفصیلات کے باعث خاص منہج اختیار کرلیتی ہے، شیخ عبداللہ احمد الیوسف اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’وربما تقويمًا للكتاب و مؤلفه كما يفضل بعض المقرظين إعطاء رؤيته الخاصة حول موضوع الكتاب ، و هو الأمر الذي يثري البحث الذي يتناوله المؤلف في كتابه.‘‘

’’کبھی کبھار تقریظِ کتاب میں کتاب اور صاحبِ کتاب سے متعلق بعض اصلاحی امور پر مشتمل مباحث کو ذکر کیا جاتا ہے، جیسا کہ ہمارے زمانے کے بعض تقریظ لکھنے والوں نے کتاب کے موضوع سے متعلق دورانِ تقریظ اہم فکری مواد فراہم کیا ہے اور یہی وہ چیز ہے جو صاحبِ کتاب کی ذکرکردہ معلومات پر مزید مباحث اور اضافہ فراہم کرتی ہے۔‘‘

شیخ صاحب کی مذکورہ عبارت اور مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی گزشتہ شرائط پر غور کرنے سے بآسانی یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ تقریظ محض مدح وستائش کا نام ہے، لیکن یہ مدح بھرپور ذمہ داری کے احساس کے ساتھ کی جائے، نیز کتاب، صاحبِ کتاب اور موضوعِ کتاب سے متعلق مفید اضافات تقریظ کو تقدیم میں بدل دیتے ہیں۔

تقریظ اور تقدیم میں فرق

متقدمین کے ہاں تقریظ اور تقدیم میں کئی وجوہ سے فرق کیا جاتا ہے:

۱:-تقریظ میں اختصار مدِنظر ہوتا تھا۔

۲:-تقریظ کی تسجیع مقفی اور مشکل الفاظ پر ہوتی تھی، شیخ عبداللہ احمد الیوسف فرماتے ہیں:

’’وقد شهدت صناعة التقريظ الكثير من التطوير و الإبداع، ففي حين كانت مختصرة جدا وتصاغ بألفاظ صعبة اعتاد الأقدمون على استعمالها.‘‘

چنانچہ متقدمین کے ہاں تقریظ کا استعمال سب سے زیادہ آٹھویں اور نویں صدی ہجری میں ملتا ہے اور اس میں اختصار کے ساتھ لفاظی اور رعایتِ تقفیہ خاص طور پر پایا جاتا ہے۔

ذیل میں اجمالاً اس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

۱:-ابوعبداللہ محمد بن محمد العلاء البخاری (المتوفی ۸۴۱ھ)، جنہوں نے امام ابن تیمیہؒ کو کافر، بلکہ جس شخص نے ابن تیمیہؒ کو شیخ الاسلام کہا ان کے بقول وہ بھی کافر ہے، ان کے اس نامناسب نظریہ کی تردید منجملہ دیگر علماء کے امام محمد بن عبداللہ بن محمد بن ناصر الدین الدمشقی نے بھی کی، چنانچہ انہوں نے مشہورِ زمانہ کتاب ’’الرد الوافر‘‘ تصنیف فرمائی اور ایک جماعتِ کثیرہ نے اس پر تقریظ لکھی، اس کے متعلق علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں:

’’وقد قرظ هٰذا الكتاب غير العيني جماعة من العلماء، منهم ابن حجرؒ و البلقينيؒ و التفهني و البساطيؒ و المحب بن نصر اللّٰه و خلق۔‘‘ (الضوء اللامع، ج:۸،ص:۱۰۴)

گویا کہ ائمہ و مشائخ کی ایک بڑی جماعت نے اس کتاب کی تقریظ کی۔ مذکورہ تمام تقاریظ ’’الرد الوافر‘‘ میں موجود ہیں، اس وقت مذکورہ کتاب سے مقتبس شدہ تقاریظ ایک ورقہ کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں، جس میں حافظ ابن حجرؒ، علامہ بلقینیؒ، علامہ عینیؒ کی تقریظات شامل ہیں، جو تمام ہی مختصر ہیں۔ (دیکھیے:الرد الوافر:۱۵۷-۱۶۵)

شواہد کی چھان پھٹک سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں کتبِ علمیہ وتحقیقیہ پر لاتعداد تقاریظ کا رواج چل پڑا تھا، چنانچہ حافظ سخاویؒ نے ’’الضوء اللامع، التبر المسبوک‘‘ اور ’’الذيل على رفع الإصر‘‘ میں اس کی مثالیں جابجا ذکر کی ہیں اور ’’الجواهر والدرر‘‘ میں تو امام سخاویؒ نے حافظ ابن حجرؒ کی ذی شان تقاریظ کو ذکر کرتے ہوئے مستقل باب ’’الباب السادس، الفصل الأول في تقاريظه البديعة و ألفاظه السهلة المنيعة.‘‘ (الجواہر والدرر، ج:۲،ص:۷۱۹) کے تحت کافی لمبی تفصیلی فہرست فراہم کی ہے۔ **(جاری ہے)**